© rasailojaraid.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

بالآخر وہی ہوا جس کی توقع ایک عرصہ سے کی جا رہی تھی ـــ یعنی عراق میں قصرِ بادشاہت خود اُس کے اپنے محافظین کے ہاتھوں منہدم ہوا اور ملک کی عنانِ اختیار شہنشاہیت اور اُس کے مصاحبین کے ہاتھوں سے نکل کر فوج کے قبضہ میں آ گئی۔ اس تبدیلی کے جو وسیع اثرات ملک اور بیرونِ ملک پر مرتب ہونگے وہ تو بطنِ مستقبل میں پنہاں ہیں۔ اس وقت جبکہ سیاسی فضا تلاطم خیز ہے اور لوگوں کے جذبات میں ہیجان ہے اس کے نتائج کا تعین کرنا ہمارے لیے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ان حالات میں ہم صرف اللہ کے حضور میں دُعا گو ہیں کہ رب العالمین اس انقلاب کو، جو فی الحال افراد کی تبدیلی تک محدود ہے، فکر و نگاہ کے انقلاب کا پیش خیمہ بنائے اور اسے نوعِ انسانی خصوصاً ملتِ بیضا کے حق میں موجبِ فلاح و برکت ثابت کرے۔ ہم ان صفحات میں اس مسئلہ پر جس نقطۂ نظر سے غور کرنا چاہتے ہیں وہ سراسر اس کا عبرتی پہلو ہے کیونکہ ایک مسلمان کو اس قسم کے حالات و واقعات میں ہمیشہ یہی پہلو ملحوظِ خاطر رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

ہر وہ فرد جو اپنے پہلو میں دل رکھتا ہے، جس کے دماغ میں غور و فکر کی کچھ بھی صلاحیت باقی ہے، جس کی آنکھوں میں بصارت کے علاوہ نورِ بصیرت بھی موجود ہے، جس کی طبیعت بے حس اور جس کے احساسات کند نہیں ہو گئے، وہ اس انقلاب میں دنیاوی اقتدار اور جاہ و جلال کی بے ثباتی کی مکمل تصویر دیکھ سکتا ہے۔ ابھی کل تک جن اشخاص کے حکم کا سکہ پورے ملک میں چل رہا تھا، اختلاف جن کے سامنے دم بخود، تنقید جن کے روبرو مُہر بہ لب اور آزادی جن کے حضور سینے پر ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ الغرض جو وہاں کے ہر سفید و سیاہ کے مالک تھے اور بہ قول ننھے پرندے تک بھی جن کی اجازت کے بغیر پر نہ مار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتے تھے، وہ آناً فاناً کس بے دردی سے اپنی ہی رعایا کے ہاتھوں سے — کسی دشمن کے نہیں — خود اپنے ہی غلاموں، چاکروں، ماتحتوں بلکہ "جاں نثاروں" کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ شہر میں کوئی بھی مونس، غم خوار اور پناہ دینے والا باقی نہ رہا۔ یہ سب بساط دم کے دم میں اُلٹ کر رہ گئی۔ فدائیوں نے چشم زدن میں آنکھیں پھیر لیں، مصاحبوں نے یک لخت ساتھ چھوڑ دیا، نہ کسی نے جنازہ اٹھایا، نہ ہی ان کی یاد میں کوئی آہ و فغاں اٹھی، نہ کوئی مقبرہ تعمیر ہوا۔ خدا معلوم ان بیچاروں کو غسل اور نمازِ جنازہ تک بھی نصیب ہوئی یا نہیں — یہی ہے وہ دنیوی اقتدار، یہ ہے شاہانہ جاہ و جلال، جس کی ہوس میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے

یوں تو اس تغیر آبادِ عالم کی کسی شے کو بھی ثبات نصیب نہیں لیکن یہاں بلاشبہ سب سے زیادہ ناپائدار چیز وہ ہے جسے بالعموم لوگ دنیاوی اقتدار کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مکڑی کا جالا بھی کچھ بنیاد رکھتا ہے مگر ایوانِ اقتدار کی بنیاد تو بیتِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ مگر اسی اقتدار کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ یہ اپنے اندر بڑی کشش اور جاذبیت رکھتا ہے۔ لوگ اس پر بڑی جلدی فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے قبضہ و اختیار کے لیے بنی نوع انسان کے ساتھ طرح طرح کے شرمناک کھیل کھیلتے ہیں، دوستوں اور دشمنوں سے قسم قسم کی چالاکیاں اور عیاریاں کرتے ہیں، اور اس راہ میں اپنے دین، ایمان اور ضمیر تک کی قربانی دینے سے گریز نہیں کرتے۔ وہ اس "بے وفا اور ستمگر" کی محبت میں سرشار ہو کر بسا اوقات اس بڑی حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ یہ اقتدار بھی کائنات کی ہر دوسری چیز کی طرح فانی ہے اور یہ بھی قادرِ مطلق کے ایک ازلی اور ابدی قانون کا پابند ہے اور اسے بھی ایک لگے بندھے ضابطے کے تحت خالقِ کائنات مختلف ہاتھوں میں منتقل کرتا رہتا ہے :۔

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔	کہو: خدایا! ملک کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقتدار کی اس بے ثباتی کو دیکھ کر ممکن ہے کسی شخص کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جس چیز کو قطعاً کوئی سکون و قرار نہیں وہ قابلِ صد مذمت ہے لہٰذا اُس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ استدلال کا یہ طریق ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ کسی چیز کے ناپائدار ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ ہر لحاظ سے غیر مفید اور بے کار ہے بلکہ اس کے بارے میں صحیح رویہ یہ ہے کہ اُس پر ہمیشہ کے لیے تکیہ نہ کیا جائے۔ ہم اس شخص کو بڑا عقلمند سمجھتے ہیں جو ایک حقیقت پسند انسان کی طرح اقتدار کی اس ڈھلتی چھاؤں کو تغیر پذیر اور بے ثبات سمجھتے ہوئے اس سے دل نہیں لگاتا۔ البتہ اس کے سائے میں بوقتِ ضرورت سستانا ضرور ہے تاکہ تازہ دم ہو کر ابدی جنت کی تلاش زیادہ قوت اور طاقت کے ساتھ کر سکے۔ ہمارے خیال میں احمق وہ شخص ہے جو اس "اعتباری چیز" کو ازلی و ابدی چیز سمجھ بیٹھتا ہے۔ اگر کسی غیر فانی چیز کے حصول کے لیے کسی فانی شئے سے تدبیر منزل کا کام لے لیا جائے تو یہ عین منشائے قدرت ہے۔ نادانی اگر کچھ ہے تو وہ یہ کہ کوئی فاتر العقل کسی ناپائدار چیز کے حاصل کرنے کے لیے وہ تدابیر اختیار کرے جن سے اُسے اُن بیش بہا اور لازوال خزائن سے دست بردار ہونا پڑے جنہیں دین کی اصطلاح میں ایمان اور فلاحِ آخرت کہا جاتا ہے۔

اقتدار اپنی ناپائداری کے باوجود اپنی ذات میں نہ سراپا خیر ہے نہ شر۔ یہ ایک آزمائش ہے اس میں کامیابی دنیا اور آخرت کی کامرانی کا باعث بھی بن سکتی ہے اور بسا اوقات اس میں ناکامی انسان کو ایک ایسے مقام پر لے جاتی ہے جہاں دنیاوی بربادی اور آخری خسران دونوں اُس کے حصے میں آتے ہیں۔ لہٰذا اس کے نافع اور ضرر رساں ہونے کا انحصار اُن لوگوں کی سیرت و کردار پر ہے جو اس پر قابض ہوں۔ ہلاکت خیز اقتدار وہ ہے جس کو حاصل کرنے کے بعد بعض کم ظرف لوگ خدا کی اس زمین میں ظلم و جبر، عیش و عشرت، جہالت و سفاہت کے مجسمے بن جاتے ہیں۔ خونریزی، سفاکی اور زیر دست آزاری اُن کی زندگی کے رہنما اصول قرار پاتے ہیں۔ وہ لاکھوں کروڑوں مظلوم بندگانِ خدا کو ہلاک کرتے ہیں تاکہ اپنے اور اپنے مخصوص گروہ کی ہوا و ہوس کی تسکین کا سامان فراہم کریں۔ یہی وہ اقتدار ہے جس کی تصویر ہمیں فراعنہ اور نماردہ کے قصص میں ملتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی قسم کے ایک ظالمانہ اقتدار کا ذکر سورۃ یونس میں مختصر مگر بلیغانہ انداز میں کیا ہے اور پھر اسی کی بربادی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں ان الفاظ میں دعا کی:

رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓي اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۔

اے رب! تو نے فرعون اور اُس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور اموال سے نواز رکھا ہے۔ اے رب! اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکاتے ہیں۔ اے رب ان کے مال غارت کر دے اور اُن کے دلوں پر ایسی مہر کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

اقتدار کی دوسری قسم وہ ہے جس کا مطالبہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان الفاظ میں کیا تھا۔

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَاۗىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۔

یوسف نے کہا، ملک کے خزانے میرے سپرد کیجیے، میں حفاظت کرنے والا ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔

یہ اقتدار وہ ہے جس کا مقصد نوعِ انسانی کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کرنا، دنیا کی تنگی سے نجات دے کر وسعت و کشائش کی راہ دکھانا، اور ظلم و جور سے بچا کر عدل و انصاف کی فضا میں لانا ہے۔ اس کے تحت رہنے والے لوگوں کے مابین برادرانہ محبت قائم ہوتی ہے۔ مختلف طبقوں سے شریف اور کمیں کی مصنوعی تقسیم مٹتی ہے اور انسانیت کے لیے ایک ایسا ماحول تیار ہوتا ہے جس میں ہر فرد کو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا پورا موقع ملتا ہے۔ اس اقتدار کے سایہ میں جو معاشرتی، سیاسی اور معاشی فضا پیدا ہوتی ہے اس میں اسلام کی اقدارِ حیات پروان چڑھتی ہیں اور وہ برائیاں مٹتی چلی جاتی ہیں جنہیں اسلام اس دنیا سے نیست و نابود کرنے کا عزم رکھتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس اقتدار کے مقصدِ وحید کو اس طرح بیان کیا ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار عطا کریں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (الحج - ٦)

یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی حقیقت کو اپنے ایک خطبہ اس طرح ارشاد فرمایا:

عن عروۃ قال خطب ابوبکرؓ فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال اما بعد فانی ولیت امرکم ولست بخیرکم ولکنہ نزل القرآن وسن النبی وعلمنا وفعلنا وان اقوکم عندی الضعیف حتی آخذ لہ بحقہ وان اضعفکم عندی القوی حتی آخذ منہ الحق۔ ایھا الناس انما انا متبع ولست بمبتدع فان انا احسنت فاعینونی وان انا زغت فقومونی اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم۔

(کتاب الاموال لابی عبید)

حضرت عروۃؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ دیا۔ اوّل اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں لیکن قرآن کریم نازل ہوا اور نبی اکرم نے اپنی سنت کو بیان فرمایا۔ ہم نے ان کو سیکھا اور ان پر عمل کیا اور بلاشبہ تمہارے زبردست لوگ میرے لیے اس وقت تک کمزور ہیں جب تک میں اُن سے واجب شدہ حق نہ لوں۔ اور بلاشبہ تمہارے کمزور لوگ میرے پاس اس وقت تک زبردست نہیں جب تک کہ میں ان کا منصب شدہ حق واپس نہ دلادوں۔ اے لوگو! میں احکام اسلام کا پیرو ہوں کسی بدعت کا موجد نہیں ہوں۔ پس اگر میں نیکی کی زندگی اختیار کروں تو میری مدد کرو اور اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو۔ میں یہی باتیں کہتا ہوں اور اپنے اور تمہارے لیے خدا سے مغفرت چاہتا ہوں۔

پھر اسی سلسلہ میں اس بڑی حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس اقتدار کی خواہش جس کے پیچھے نظام اسلامی برپا کرنے کا داعیہ ہو، اُس دنیوی اقتدار سے بالکل مختلف چیز ہے جس کا محرک اپنے یا اپنے خاندان کی سطوت اور کبریائی قائم کرنا ہے اس لیے ان دونوں کو خلط ملط کر کے ان پر ایک حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ جو لوگ اپنے شخص یا خاندان یا قومی اقتدار کے خواہشمند ہوتے ہیں انہیں جب اقتدار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نصیب ہوتا ہے تو یہ وہ انعام نہیں ہے جو اللہ کی رضا کے نتیجہ میں حاصل ہوا کرتا ہے بلکہ یہ خالص دنیا پرستی کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا "فتنہ" ہے۔ بخلاف اس کے جس اقتدار سے غرض یہ ہو کہ کفر کا غلبہ مٹے اور خدا کی زمین پر اس کا دین غالب ہو، اس کے مقصود و مطلوب ہونے سے صرف وہی لوگ انکار کر سکتے ہیں جو دین اسلام کو محض سطحی طور سے جانتے ہیں اور اس کے اجتماعی تقاضوں سے یکسر صرف نظر کر لیتے ہیں۔

"لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم" بات کہیں سے کہیں نکل گئی۔ اصل چیز اس انقلاب عراق کے بارے میں جو ہم کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ پچھلی ایک ڈیڑھ صدی سے مسلمان حکومتیں ہی زیر زبر ہو رہی ہیں۔ کیا یہ محض بخت و اتفاق ہے یا اس کے پس پردہ کوئی ایسے گہرے اسباب ہیں جن کی بنا پر ان میں ہر وقت سیاسی زلزلے آتے رہتے ہیں۔ جہاں تک ہم حالات کا تجزیہ کر سکے ہیں ہم اس انار کی کو کسی وقتی سبب کا نتیجہ نہیں سمجھتے بلکہ ہمارے نزدیک اس کے مستقل وجوہ ہیں۔ سب سے بڑی وجہ ہمارے خیال میں یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثر و بیشتر حکومتیں عوام کے جذبات کی نمائندہ نہیں بلکہ کچھ لوگ محض جبر و استبداد اور سیاسی سازشوں کی مدد سے ایوان اقتدار پر قابض ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ یونانی دیوتاؤں کی طرح ملک کے عام باشندوں، ان کی ضروریات اور احساسات سے یکسر بے پروا رہتے ہیں اور اپنا سارا وقت اپنے شبستانوں میں داد عیش دیتے ہوئے صرف کرتے ہیں۔ انہیں کچھ علم نہیں ہوتا کہ ملک میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ ان لوگوں کی ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر خوشامدی مصاحب انہیں ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں اور مدح منقبت کا نشہ پلا کر غلطیوں کے چکر میں ایسا پھنسلتے ہیں کہ صرف شاہی خاندان ہی نہیں بلکہ پوری مملکت تباہی و بربادی کی راہ پر چل پڑتی ہے۔ سلطنت کمزور ہوتی ہے اور وہ ان "عیش کوشوں" کو یقین دلاتے چلے جاتے ہیں کہ حضور کی طاقت آسمان پر جارہی ہے۔ دشمن اندر ہی اندر پورے ملک میں ڈائنامیٹ بچھانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور وہ غفلت کے ماتوں کو اطمینان دلاتے ہیں کہ حضور کا اقتدار ترقی پر ہے۔ یہ مصاحبین اپنے مخصوص مفادات کی خاطر ہمیشہ اس امر کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ بادشاہ تک کوئی نیک مشورہ، کوئی حق بات پہنچنے ہی نہ پائے تاکہ ان کی عشرت رانیوں میں کوئی بدمزگی نہ پیدا ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے درباروں میں قدر و منزلت صرف اُنہی لوگوں کے حصہ میں آتی ہے جو دنیا کی ساری تلخ اور شیریں حقیقتوں کو بادشاہوں کی خواہشات کے مطابق ڈھال دیں۔ ظاہر بات ہے کہ اس قسم کے خوشامدانہ ماحول میں کوئی ناصح مشیر، کوئی حق گو عالم کوئی دور اندیش اور معاملہ فہم انسان کس طرح بار پاسکتا ہے اور بالفرض اگر بار پا بھی لے تو کس طرح باقی رہ سکتا ہے۔ جن بداندیشوں کا مقصد ہی یہ ہو کہ وہ بادشاہوں کو حالات سے یکسر غافل رکھیں اور جب کبھی وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہونے پائیں تو فوراً افیون کے بہت سے انٹے اور شراب کے ساغر پلا کر انہیں بدمست کر دیں، وہ کس طرح نیک اور متدین آدمیوں کے وجود کو گوارا کر سکتے ہیں۔ بدمعاشوں کی ٹولی جب کبھی اپنے سامنے اس قسم کا "خطرہ" دیکھ لیتی ہے تو وہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک ایسی سازش کا انتظام کرتی ہے جس کے تہ دام "ناصح" صاحب پھڑ پھڑا کر اپنی جان ہی قربان کر بیٹھتے ہیں۔

بادشاہت کی یہ روش صرف افراد تک ہی محدود نہیں بلکہ اجتماعی حیثیت سے بھی اس قسم کے اقتدار کے تحت صرف انہی تحریکات کی پشت پناہی کی جاتی ہے جن سے ملک کے اندر عیش و تنعم بڑھے، فحاشی بے حیائی اور عریانی کو ترقی نصیب ہو اور بداخلاقی کا طوفان اس قدر زور سے اٹھے کہ سارے لوگ اس کی لپیٹ میں آجائیں اور اس طرح کوئی شخص بھی دوسرے کو ٹوکنے کی جسارت نہ کر سکے۔ مسلمان ممالک میں اسلامی اور دینی تحریکات کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا جارہا ہے وہ اتنی دلفگار داستان ہے کہ اس کے تصور سے بھی جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ عرب ممالک کی مشہور اصلاحی تحریک الاخوان المسلمون پر جو مظالم مصر میں ڈھائے گئے ہیں یا ڈھائے جارہے ہیں وہ وہاں کے اصحابِ اقتدار کے مجرم ضمیر کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ اس قسم کے کم ظرف لوگ جو محض سازشوں اور جبر و استبداد کے بل پر مسندِ اقتدار پر آگئے ہوں کس طرح امن و چین کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اس لیے اگر ان ممالک کی فضا شعلہ جوالہ بنی ہے تو اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں بلکہ یہ تو حالات کا عین تقاضا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے مسلمان ممالک کی بدقسمتی کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ دنیا نے آج تک اجتماعی زندگی کے بارے میں جتنے مفید سبق سیکھے ہیں وہاں نہ صرف ان سب کو بھلا دیا جاتا ہے بلکہ اُن غلطیوں کو بار بار دہرایا بھی جاتا ہے۔ مثال کے طور پر فوج کے غلط استعمال کو ہی لیجیے۔ ہر معمولی عقل و خرد رکھنے والا آدمی بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ فوج اپنے ملک پر حکومت کرنے کے لیے نہیں بلکہ ملک کو بیرونی دشمنوں سے بچانے کے لیے منظم کی جاتی ہے اس وجہ سے دنیا کے تمام عقلمند لوگ ملکی معاملات میں فوج کی دخل اندازیوں کو پسند نہیں کرتے۔ مگر ہماری شومیٔ قسمت کہ جو لوگ ہمارے ہاں اقتدار پر قابض ہیں وہ چونکہ عوامی تائید کی قوت سے محروم ہیں اس لیے وہ اس کمی کو فوج کی طاقت اور پشت پناہی سے پورا کرتے ہیں۔ جہاں کسی حلقہ میں تھوڑا سا اضطراب یا عدمِ اطمینان دکھائی دیا اُسے فوراً فوج کی مدد سے دبا دیا۔ بظاہر یہ نسخہ بڑا آسان ہے لیکن اس کے نتائج ملک، قوم، اصحابِ اقتدار اور خود فوج کے حق میں نہایت مہلک ہوتے ہیں۔ اس کا پہلا اثر یہ پڑتا ہے کہ ملک کے باشندے خود اپنی فوج سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ اور ملک کی حفاظت کے لیے فوج اور قوم کا تعاون ممکن نہیں رہتا۔ یہ صورتِ حالات" سامراجی من چلوں" کے لیے بڑی ہی حوصلہ افزا ثابت ہوتی ہے اور اس سے بسا اوقات ملک کی آزادی پر آبنتی ہے۔

فوجی افسروں کے مُنہ کو جب ایک دفعہ اقتدار کا خون لگ جاتا ہے تو پھر پوری فوج کا نظم و تہ و بالا ہو جاتا ہے۔ ملک کے یہ پاسبان ہمیشہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ باہر چاہے انہیں کچھ فتح کا موقع ملے یا نہ ملے مگر انہیں گھر کو ضرور فتح کر ڈالنا چاہیے۔ اگر اخلاقی حیثیت سے اس معاملہ کو دیکھا جائے تو یہ بے حد افسوسناک ہے۔ اس سے بڑی غداری اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک فوج جن لوگوں کے روپے سے منظم اور مسلح ہوتی ہے وہ طاقت پا کر خود اپنی قوم کی گردن پر ہی سوار ہو جائے اور سنگین کی نوک سے ملک میں اپنا حکم منوانا شروع کر دے۔

معاملہ صرف ایک انقلاب تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ فوجی انقلاب ایک ایسا شیطانی چکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ اگر کوئی ملک بدقسمتی سے اس میں ایک دفعہ گرفتار ہو جائے تو اس سے بچ نکلنے کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ ایسا ملک پیہم انقلاب اور ناگہانی تغیرات کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور کشمکش اور چھین جھپٹ کی جو بیماری سیاسی پارٹیوں سے نکل کر فوج کے مختلف طبقوں میں سرایت کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے جو معاملات بساطِ سیاست پر سیاسی جوڑ توڑ سے طے کیے جاتے تھے اب اُن کے فیصلے کے لیے قاضیٔ شمشیر کی طرف رجوع کرنا بالکل ناگزیر ہو جاتا ہے اور یہ قاضی اپنے مزاج کے اعتبار سے اس قسم کا بے حس واقع ہوا ہے کہ اسے اگر ایک مرتبہ عدالت کی کرسی پر متمکن کر دیا جائے تو پھر یہ اُس وقت تک چین نہیں لیتا جب تک کہ سارا ملک تاخت و تاراج نہ کر دیا جائے۔

اس کے علاوہ فوجی انقلاب ہمیشہ فوجی آمریت پر منتج ہوتا ہے۔ انقلاب کے وقت خواہ نعرے کتنے ہی خوش کن اور احساسات و جذبات خواہ کتنے پاکیزہ ہوں لیکن یہ انقلاب اپنی کامیابی اور بقا کے لیے اس بات پر مجبور رہے کہ کسی ایسے جابرانہ نظام کو جنم دے جس میں نہ صرف لوگوں کے جسم گرفتار ہوں بلکہ ان کی روح بھی پابہ زنجیر رہے۔ اور لوگ دم بخود ہو کر ان فوجی آمروں کے افعال و اعمال دیکھتے چلے جائیں۔ پوری قوم بھیڑ بکریوں کا ایک بے زبان گلہ بن کر رہے جسے یہ "مصلحینِ قوم" میکانکی طور پر جس طرف چاہیں ہانک کر لے جائیں۔

آپ اگر اس صورتِ حال پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ دنیا کی کوئی قوم بھی اس حالت پر دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ اس کو برقرار رکھنے کے لیے عجیب و غریب قسم کی فریب کاریاں کی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے فوجی آمر کے کارناموں کو بڑے ہی مصنوعی انداز سے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے تاکہ یہ آمر ایک عام انسان کی بجائے فوق البشر دکھائی دے اور قوم اُسے اپنا واحد نجات دہندہ تسلیم کرنے پر مجبور رہے۔ چنانچہ آپ دیکھیے ان فوجی آمروں کی کارگزاریوں کو کس مبالغہ آمیزی کے ساتھ مختلف طریقوں سے نشر کیا جا رہا ہے اور قوم کے ذہن میں یہ خیال راسخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ان لوگوں کے کارنامے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالکل غیر معمولی ہیں۔ لیکن یہ فریب بھی کوئی ایسا نہیں جو دیر تک چل سکے۔ دوسرے قوم کی ذہنی تربیت کے لیے ایک ایسا پروگرام طے کیا جاتا ہے جس سے وہ ہر معاملہ کو فہم و فراست کی معتدل میزان پر تولنے کی بجائے اُسے جذبات کی شعلہ فشانیوں سے حل کرتی ہے اور اندھی پیروی کی اتنی خوگر بنادی جاتی ہے کہ نباہ کن حوادث میں مبتلا ہونے کے بعد بھی اُس کی آنکھیں کھلنے نہیں پاتیں۔

اس قسم کی تلاطم خیز ذہنی کیفیت پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جذبات کے سمندر میں طوفان اٹھائے جائیں۔ یہ کام معمولی طریقوں سے تو سرانجام نہیں پا سکتا اس کے لیے بڑے ہی غیر معمولی حربے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً سب سے پہلے پوری قوم کو ٹھوس حقائق کی دنیا سے نکال کر سپنوں کی ایک ایسی فضا میں آباد کیا جاتا ہے جہاں وہ صرف آرزوؤں اور تمناؤں پر مرنا سیکھتی ہے جہاں وہ عقل کی بات بتانے والوں کو دشمن اور خوش کن باتیں بنانے والوں کو دوست سمجھنے لگتی ہے، جہاں صرف خواب و خیال کی پرستش ہوتی ہے اور جہاں رہبران قوم کے اخلاقی اور ذہنی اوصاف نہیں دیکھے جاتے بلکہ صرف اس بات کا اندازہ کیا جاتا ہے کہ وہ لاف گزاف میں کس قدر مشّاق اور زبان کے استعمال میں کس حد تک مطلق العنان ہیں۔

پھر اس قوم کے بارے میں اس بات کا بھی التزام کیا جاتا ہے کہ اُس کے دل و دماغ پر مستقل خوف کی کیفیت طاری رہے تاکہ وہ اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لیے ایک فوجی آمر کی آمریت بخوشی قبول کرے۔ اس کے علاوہ قوم کے ذہن میں نسلی اور ملکی برتری کے بیج بوئے جاتے ہیں جو بہت جلد جارحانہ قوم پرستی کی صورت میں بار آور ہوتے ہیں۔ دوسری عالمگیر جنگ میں جرمنی اور اٹلی میں جو کچھ ہوا یا عرب ممالک میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسی ذہنی کیفیت کی عملی تعبیر ہے۔

اس صورتِ حال کے جو نتائج اس وقت ہمارے سامنے ہیں انہیں دیکھ کر ہر حساس مسلمان تڑپ اٹھتا ہے۔ آئے دن کے تغیرات نے بحیثیت مجموعی مسلمانوں کے وقار کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ آخر مسلمانوں کو وہ کیا بیماری لاحق ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آزادی کا صحیح استعمال نہیں کر سکتے اور اپنی قومی طاقت کو آپس کی کشمکش میں تباہ کر رہے ہیں۔

یہ تغیرات چونکہ فوجی آمروں کے ذریعہ سے آ رہے ہیں اس لیے ان میں باشندگانِ ملک کے افکار و اقتدار و خواہشات کا احترام نہیں ہوتا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کچھ مدت کے جوش و خروش کے بعد جب لوگوں کی امنگیں پوری ہوتی نظر نہیں آتیں تو یا تو وہ ایک دوسرے انقلاب کے لیے تیاری کرتے ہیں یا دل برداشتہ ہو کر ملک اور ملک کے مسائل سے قطعاً دلچسپی لینا چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک ظالم کو مسندِ اقتدار سے ہٹانا بلاشبہ ملک اور قوم کی بہت بڑی خدمت ہے لیکن اگر کچھ لوگ پہلے ظالموں کو ہٹا کر خود ملک پر مسلط ہو جائیں اور پھر اسی طرح کی ظالمانہ کارروائیاں کرنے لگیں جو ان کے پیشرو کرتے رہے ہیں تو اس سے اصلاحِ حال کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

پھر ان انقلابات کے محرکات بھی بہت حد تک منفی ہیں۔ اس لیے انقلاب آ جانے کے بعد قوم کو سلبی احساسات کی غذا دی جاتی ہے۔ یہ احساسات یوں تو کسی قوم کے حق میں مفید اور کارآمد ثابت نہیں ہوتے مگر مسلمانوں کے لیے تو یہ بہت زیادہ ہلاکت خیز ہیں۔ ایک قوم جو مادی اعتبار سے دنیا کی دوسری اقوام سے کہیں زیادہ پست اور کمزور ہو اُسے اگر جارحانہ قوم پرستی کے نشہ میں بدمست کر کے خود اپنے بھائی بندوں سے لڑا دیا جائے تو اس سے بڑی حماقت اور کیا ہو سکتی ہے۔

یہ وہ وقت ہے جبکہ ہمارے فرمانرواؤں کو اپنی آنکھیں کھولنی چاہئیں۔ اپنے محلات میں بیٹھ کر وہ یہ نہ سمجھیں کہ آج سے ہزار سال پہلے کی فضا جیسی کہ اُن کے محلوں کے اندر ہے ویسی باہر بھی موجود ہے۔ زمانہ قیامت کی چال چل گیا ہے۔ باہر انقلاب کی بڑی بڑی موجیں اٹھ رہی ہیں، وہ اُن کے دروازوں پر دستک دے کر اُن سے کچھ تقاضے کر رہی ہیں۔ ان سے صرفِ نظر کر کے چلنا کوئی دانشمندانہ فعل نہیں ملکی اقتدار یا قیادت، خواہ وہ کسی نوعیت کی ہو، اُس کے بچاؤ کی صورت صرف یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس جمہوری دور کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوام کو اُن کے پورے پورے جمہوری حقوق بہم پہنچانے میں قطعاً بخل سے کام نہ لے اور جس حد تک بھی جمہور میں صلاحیت یا مانگ پیدا ہو گئی ہو، سیاسی اختیارات ہنسی خوشی اُن کے حوالے کرتی چلی جائے۔ بلکہ وہ لوگوں میں ان ذمہ داریوں کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرے۔ نیز عوام کے حقیقی مسائل کو سمجھے اور اپنی عیاشیوں میں مست رہنے کی بجائے اُن کی ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام کرے۔ علاوہ ازیں بین الاقوامی دھڑوں کی کشمکش اور دو طرفہ ڈپلومیسی نے جو احساسات بیدار کر دیئے ہیں اُن کا شعور حاصل کرے اور اُن کے مطابق حالات کو از خود بدلے۔ اس سلسلہ میں برطانیہ کی بہترین مثال ہمارے سامنے ہے جہاں کے حکمرانوں نے ایک آدھ انقلابی دھچکا سہنے کے بعد پھر عوام کے مطالبات کو پورا کرتے میں کبھی کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی۔ تاریخ کے اس سبق کو اگر ہمارے مسلمان ممالک کے فرمانروا اور لیڈر عین اس لمحہ محسوس نہیں کریں گے تو پانچ سات سال بھی اُن کا اپنی شاہانہ مسندوں پر برقرار رہنا ممکن نہیں ہے۔ ہر شخص اور ہر ملت کے صبر کا ایک پیمانہ ہوتا ہے۔ اس میں خواہ کتنی ہی وسعت ہو مگر ایک حد ایسی ضرور آتی ہے جہاں پہنچ کر وہ اپنی ساری وسعتوں کے باوجود چھلک پڑتا ہے۔ یہ حد بڑی ہی خطرناک اور ہلاکت خیز ہے۔ اس سے ہمارے اصحابِ اقتدار کو بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ اگر یہ حضرات وقت کے اس مطالبہ کو پورا نہیں کریں گے تو زمانہ کی کروٹ انہیں اس مطالبہ کی تعمیل پر مجبور کرے گی۔ اور یہ تعمیل اکثر و بیشتر بہ نوک شمشیر ہی ہُوا کرتی ہے۔ یہ لوگ غالباً تاریخ کے اُن روسیاہ فرمانرواؤں کے تذکروں سے نا آشنا نہیں جن کے پندار و غرور نے الوہیت کی صورت اختیار کر رکھی تھی، جنہوں نے خالق کی اس زمین پر اپنی سطوت و خدائی کا تخت بچھا رکھا تھا۔ زمانہ نے پھر جو حشر اُن کا کیا وہ بھی اُن سے پوشیدہ نہیں۔ اب یہ فیصلہ ان کے اپنے ہاتھ میں ہے کہ آیا وہ بھی یہی طرزِ عمل اختیار کر کے اسی انجام سے دوچار ہونا چاہتے ہیں یا اپنے لیے کوئی دوسری راہ منتخب کرتے ہیں۔

دوسری چیز جس کی طرف ہم توجہ دلانا نہایت ضروری سمجھتے ہیں وہ ہے مقصد اور نصب العین کا تعین دنیا کی قوموں میں شاید مسلمان ایک ایسی قوم ہے جو اس کارزارِ حیات میں بے مقصد جینے کے پیہم تجربات کر رہی ہے۔ کبھی وہ نیشنلزم کو اپنا اصولِ زندگی بناتی ہے کبھی وہ بیرونی خطرات کا ڈر پیدا کر کے اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندر اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن بار بار کی ناکامیوں کے بعد بھی ابھی تک اُس نے اس حقیقت کا ادراک نہیں کیا کہ دونوں راستے اُسے کامیابی کی منزل تک نہیں لے جاسکتے۔ نیشنلزم کو اپنانے کے بعد اس کی قوت بڑھنے کی بجائے گھٹے گی۔ جہاں تک ڈر کی کیفیات پیدا کرنے کا تعلق ہے ممکن ہے کہ اس ذریعہ سے وہ وقتی طور پر اپنے اختلافات کو دبا سکے، اپنی سوئی ہوئی قوتوں کو بیدار کرسکے مگر اس سے کوئی تعمیری کام نہیں لیا جاسکتا۔ ڈر اپنے مزاج کے اعتبار سے کوئی پائدار چیز نہیں بلکہ یہ ایک وقتی چیز ہے اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انحصار کرنا سخت ناعاقبت اندیشی ہے۔ اپنی توسیع و ترقی کے لیے تو ہمیں کوئی ایسی ایجابی چیز درکار ہے جو دائمی اور مستقل ہو جس کی قوتِ جاذبہ سے ہم جڑ جائیں، جس کی قوتِ محرکہ سے ہم متحرک ہو جائیں جس کی بدولت ہمارے اندر سعی و عمل کا ولولہ، کچھ ہونے کی تمنا اور اپنی قوتوں کو ایک راہ پر لگانے کا جذبہ پیدا ہو۔

مسلمانوں کی جگہ کوئی دوسری قوم ہوتی تو اس کے لیے یہ امر بجائے خود کافی پریشان کن ہوتا کہ وہ ایسا تخیل اور ایسا مقصد کہاں سے لائے۔ لیکن ہمارے پاس اسلام کی شکل میں یہ سب کچھ موجود ہے صدیوں کی روایات نے اسے ہمارے دل و دماغ میں پوری طرح پیوست کر رکھا ہے۔ اس مقصد سے ہمیں صرف ذہنی اور فکری مناسبت ہی نہیں بلکہ اسے ہم نے جذبات اور احساسات کی آغوش میں پالا ہے۔ اس وجہ سے اس کے ساتھ ہمارا تعلق نہایت گہرا اور مضبوط ہے۔ یہ صرف ہماری غفلت ہے جس نے اسے مضمحل کر رکھا ہے اور اسی کی بدولت ہم قوت و استحکام کے اس لازوال خزانے سے محروم ہیں جو ہمیں خالقِ کائنات نے دے رکھا ہے۔ اب وقت ہے کہ ہم اس کی طرف توجہ دیں اور اس کے ساتھ زبانی اشتغال پر قناعت کرنے کی بجائے بالفعل اس کو استعمال کریں۔ یہ مقصد نہ صرف ہمیں ایک دوسرے سے قریب کر دیگا بلکہ اپنی مقناطیسی قوت سے ہمیں ایک بنیان مرصوص بنا دیگا۔
ہمارے درمیان مغائرت کے جو پردے حائل ہیں وہ خود بخود اٹھتے چلے جائیں گے اور ہم سب خواہ کسی کا تعلق مصر سے ہو یا افغانستان سے، شاہد علی الناس کی حیثیت سے اس دنیا میں

(باقی صہ ۲۰)

© rasailojaraid.com